

انکشاف

ہولانا مودودی کے «اجتہادات» انکشافات

زیر نظر کتاب «انکشافات»، کے مرتب قاری عبدالحمید ہیں۔ اور اسے مسعود الحسن ناظم دارالتبیغ ضلع بنوں (مغربی پاکستان) نے شائع کیا ہے۔ کتاب مجلد ہے۔ خیامت ۱۹۰ صفحات اور قیمت ساڑھے تین روپے۔

بقول مرتب، کتاب کے صفحہ ۳ تک مولانا مودودی کی صرف مذہبیات، اعتقادیات، ایمانیات، اسلامیات اور ان کی دینیات پیش کی گئی ہیں۔ اور صفحہ ۹۳ کے بعد ان کی اجتہادیات، فقیہات، اخلاقیات، سیاسیات اور جمہوریات درج کی گئی ہیں۔ اب جہاں تک ان موضوعات کے بارے میں مولانا مودودی کی تحریروں کے اقتباسات کا تعلق ہے۔ وہ واقعی «انکشافات» ہیں۔ لیکن مرتب نے ان انکشافات کو پیش کرتے ہوئے جو زبان استعمال کی ہے، وہ سخت قابل اعتراض ہے، اور ہمارا خیال ہے کہ جس مقصد کے لئے یہ «انکشافات» پیش کئے گئے ہیں۔ مرتب کی اس زبان اور ان کے اسلوب بیان سے اسے فائدے کے بجائے نقصان پہنچے گا۔

گو مرتب نے شروع میں خود مولانا مودودی کے اس «فرسان» سے — «الله اور رسول نے جہاں بعض موقع پر انتہائی نرمی برتی ہے، اور وہ عین مقتضائی حکمت ہے، بعض دوسرے موقع پر سخت لب و لہجہ بھی اختیار کیا ہے اور قند و تیز الفاظ سے بھی کام لیا ہے اور وہ مقتضائی حکمت ہی رہا ہے» — اہنے سخت لہجے کو جائز تواردینے کی کوشش کی ہے، لیکن اس کے باوجود ہم یہی

کہمیں گے کہ نفس "الکشافات" سے قطع نظر جس پیرا یہ بیان میں انہیں پیش کیا گیا ہے، وہ تکلیف دہ حد تک ساخت ہے۔

مولانا مودودی کی علمی و عملی زندگی خاصی طویل ہے۔ اور چونکہ وہ بنیادی طور پر ابھی تک یہ نہیں طے کر سکے کہ انہیں پیشیت اسلام کے ایک مفکر کے، مسلمانوں میں ایک دینی انقلاب برپا کرنا ہے یا ایک عملی میاست دان کے طور پر مختلف حالات و اوقات میں جو وسائل بھی دستیاب ہو سکتے ہیں ان کی مدد سے سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے، اس لئے وہ مجبور ہیں کہ مختلف وقتوں میں مختلف باتیں کہیں اور بدلتے ہوئے حالات میں مختلف عملی راہیں اختیار کریں۔ علم و عمل میں تھوڑا بہت تضاد تو فطری ہوتا ہی ہے، لیکن جب ایک شخص کے علم و عمل کے دو اور میں باہم بہت زیادہ بعد ہو، تو ان کے بارے میں اس کے اندر خواہ وہ کتنا بھی ذہین کیوں نہ ہو، بہت زیادہ تضاد رونما ہوتا رہتا ہے۔ اور آخر میں ایک وقت آتا ہے کہ یہ تضاد اس شخص کی علمی و عملی شخصیت کو ختم کر دیتا ہے۔ چنانچہ نہ وہ کوئی خاص سیاسی کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے اور نہ اس کی وہ فکری و علمی تحریک ہی ہروان چڑھتی ہے۔ جس کا داعی بن کر وہ مظہر عام پر آیا تھا۔

زیر نظر کتاب "انکشافات" پڑھ کر مولانا مودودی کی شخصیت کا یہ الیہ ہمارے سامنے آتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا مودودی ایک بڑے ذہین ادمی ہیں اور اس وقت وہ بلا بیالہ اردو کے مؤثر ترین اسلوب تحریر کے مالک ہیں۔ ہر ان کی زندگی میں بڑا نظام و ضبط ہے اور ان کی ذات میں بہت حد تک وہ خوبیاں جمع ہیں، جو ایک عالم دین کو نئے تعلیم یافتہ مندرجہ قسم کے حلقوں میں جو اسلام سے ذوق رکھتے ہیں، هر دلعزیز بناسکتی ہیں۔ مولانا مودودی کی پیشیت ایک عالم دین کے بھی خوبیاں تھیں، جن کا عملاً اظہار اس وقت ہوا، جب موصوف نے ہیدرآباد دکن سے اپنا رسالہ "ترجمان القرآن" "لکلا" اور انی خوبیوں سے متاثر ہو کر علامہ اقبال مرحوم نے مولانا مودودی کو پنچاب آنے کی دعوت دی اور ضلع گورداشپور کے مقام دارالاسلام میں ان کا مستقر قائم ہوا۔

مولانا مودودی کی یہ علمی و فکری سرگرمیاں اس دور میں علمائے گرام کے ایک طبقے میں بھی خاصی مقبول ہوئیں۔ اور ان حضرات نے مولانا مودودی کی کھلے دل سے حوصلہ رافضی کی، ایکن ایک وقت آیا کہ مولانا کو علم و فکر کی یہ دنیا تنگ محسوس ہونے لگی۔ اور وہ پھیلیت ایک سیاسی لیڈر کے حزبی سیاست (پارٹی پالیٹکس) میں کوڈ پڑے۔ اب منطق کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ایک سیاست دان بنے، اور حزبی سیاست کو اور سیاست دانوں کی طرح اپنا لیتے، اور اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا تھا، لیکن ہوا یہ کہ انہوں نے اپنا منصب تو رکھا اسلام کے ایک مفکر کا، جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ص کا ترجیمان ہے اور عملاً اس کی ہر بات اللہ و رسول ص کے ارشادات و مرضیات کی شرح ہے، یہاں تک کہ انہوں نے جماعت کا نام بھی ”جماعت اسلامی“ رکھا، لیکن ان کی تمام تر عملی چدوجہد تھی حزبی سیاست کی، جس کا محور و مبنی اکثر و بیشتر سیاسی جوڑ تباہ ہوتا ہے۔ یہ ہے مولانا مودودی صاحب کی زندگی کا بہث بڑا تضاد، جس نے ہمارے نزدیک ان کی علمی و فکری و دینی دعوت کو بیٹھا گایا، اور اب ان کی سیاسی اقتدار کی موجودہ چدوجہد کو بھی ناکام بنائے گا۔ اس طرح کے المیہ تاریخ میں اکثر ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک الیہ مولانا مودودی کا بھی ہے۔

مولانا حالی کا ایک شعر ہے۔

تماشا بارہا آنکھوں نے دیکھا گھٹا الہی مگر بادل نہ برسے

اب ایک طرف مولانا کی حزبی سیاست نے ان نئے طہنوں کو جن کی نمائندگی کرنے والے ہی ملک و قوم کی سیاست میں دخیل کار ہو سکتے ہیں۔ ان سے دو سکردا ہے۔ اور اس کا ثبوت مولانا کی ”جماعت اسلامی“، کی خود ہیئت ترکیبی ہے۔ اور دوسری طرف مذہبی طبقوں کی غالباً اکثریت ان کے، گمراہ کن باطل اجتہاد“ سے حد درجہ نالا ہے۔ جس کا ایک خاکہ زیر نظر کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ مولانا مودودی کے ”گمراہ کن باطل اجتہاد“ سے جس حد تک مذہبی طبقے بر افروختہ ہیں، نئے طبقے ایسی

حد تک اس سے خوش ہیں۔ لیکن اب مولانا کے پہنچ نظر چانکہ سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے، ایک صاحب فکر و دعوت کی طرح اپنے نقطے نظر کی تبلیغ و اشاعت نہیں، اس لئے وہ مجبوراً اسی مذہبی طبقے کے ایک حصے کو اپنے ساتھ ملانے میں کوشش ہیں۔ کیونکہ شے طبقے تو ظاہر ہے ان کو کبھی اپنا سیاسی لیدر ماننے کو تیار نہیں ہوں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ذہن مولانا کی دینی دعوت بار آور ہوسکے گی اور نہ سیاسی قیادت انھیں مستند اقتدار پر پہنچا سکے گی۔

مولانا مودودی کے جس ”گمراہ کن باطل اجتہاد“ کی تصویر ان ”الکشافات“ سے نمایاں ہوتی ہے۔ اس کے چند خط و خال بھائی بطور نمونہ دیکھے جاتے ہیں۔

(۱) (”تفہیمات“، جلد دوم ص ۲۸۰ بعنوان قطع ید اور دوسرے شرعی حدود)

تعزیرات کے باب میں سب سے پہلے اس قاعدے کلمی کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ہاتھ کائی کسی اور دوسری شرعی حدیں صرف اسی جگہ نافذ کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہیں، جہاں مملکت کا نظم و نسق اسلامی اصولوں پر ہو اور تمدن و معاشرت کی ترتیب و تنظیم اسی طرز پر کی گئی ہو، جو اسلام نے تجویز کیا ہے۔ اسلام کے اصول اور قوانین ناقابل تجزیہ ہیں۔ یہ صحیح نہیں کہ بعض اصول اور قوانین تو نافذ کئے جائیں اور بعض کو چھوڑ دیا جائے۔

اسی سلسیلے میں مولانا موجودہ ”ظالم سوسائٹی“ کی جملہ خرابیاں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

اگر ان حالات میں اسلامی قانون فوجداری رائج کر دیا جائے تو شاید کوئی پیٹھے بھی کوڑوں سے نہ بچ سکے۔ هزارہا آدمیوں کے ہاتھ روزاں کٹتے گئیں اور ہر روز سینکڑوں آدمی سنگسار کئے جائیں۔

(۲) (”سب سموات“، (موردہ بقرہ ۲۹ وین آیت) کی تفسیر سات آسمانوں کی حقیقت کیا ہے۔ اس کا تین مشکل ہے۔ انسان ہر زمانے میں آسمان یا بالفاظ دیگر ماورائے زمین کے متعلق اپنے مشاهدات یا قیاسات کے مطابق مختلف تصویرات قائم کرتا رہا ہے۔ جو برابر بدلتے رہتے ہیں۔ لہذا ان میں سے کسی تصور کو بنیاد قرار دئے کر قرآن کے ان الفاظ کا مفہوم معین کرنا صحیح نہ ہو گا۔۔۔

(۱) تفسیر القرآن میں سلف کی روایتوں کو مانئے ہو جو زور دیا جاتا ہے، اس پر مولانا نے یوں اظہار خیال کیا ہے -

لیکن یہ کیا ظلم ہے کہ جو لوگ ان اقوال کو نظر انداز کر دیں اور صرف انہی امور تک تفسیر کو محدود رکھیں، جنہیں قرآن نے بیان کیا ہے، تو ان کی تکفیر کی جانب اور پھر تکفیر بھی اس بنیاد پر کہ تم نے سلف کے قول سے انحراف کیا ہے۔ آخر معلوم تو ہو کہ یہ ”سلف“ کون سے انبیاء تھے، جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہے، -

(۲) مولانا مودودی اپنی تفسیر میں جمہور کے اس عقیدے کا بھی اثبات نہیں کرتے کہ حضرت مسیح عد کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔ سورہ النساء کی آیت ۱۵۸ بل رفعہ اللہ الیہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”اب رہا یہ موال کہ اٹھا لینے کی کیفیت کیا تھی، تو امن کے متعلق کوئی تفصیل قرآن میں نہیں بتائی گئی۔ قرآن نہ اس کی تصریح کرتا ہے کہ اللہ ان کو جسم و روح کے ساتھ کرہ زمین سے اٹھا کر آسمانوں پر لے گیا اور نہ یہی صاف کہتا ہے کہ آسمانوں نے زمین پر طبعی موت پائی اور صرف ان کی روح اٹھائی گئی...“

(۳) مولانا مودودی نے دجال کو ایک افسانہ قرار دیا ہے۔ اور بتول مرتب ”انکشافات“ کے ”دجال کے متعلق تقریباً تیس روایتیں متعدد احادیث بخاری شریف، مسلم شریف، ابو داؤد شریف اور ترمذی شریف وغیرہ میں موجود ہیں، جن کی صحت میں کلام ہی نہیں کیا جاسکتا، لیکن مودودی صاحب کی نظر میں سب سے بڑی اصح الکتاب بعد از کتاب اللہ یعنی بخاری شریف کی جو وقت ہے، وہ بھی درج کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں،“

”یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں کہ بخاری یہی جتنی احادیث درج ہیں، ان کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہئے اس سلسلے میں یہ بات بھی جان لینے کی ہے کہ کسی روایت کے سند آصحیح ہوئے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا نفس مضمون بھی ہر لمحاظ سے صحیح اور جوں کا توں قابل قبول ہو۔“ (رسائل مسائلی حصہ دوم ص ۳۳۳)

(۶) احادیث کی صحت کے متعلق مولانا کا جو مسلک ہے، وہ جممور علماء کے بالکل خلاف ہے، ملاحظہ ہو۔

”آپ بھی نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں، لیکن ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک سند کسی حدیث کی صحت معلوم کرنے کا واحد ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ ابھی ضروری سمجھتے ہیں کہ متن ہر غور کیا جائے۔ قرآن و حدیث کے مجموعی علم سے دین کا جو فہم حاصل ہوا ہے، اس کا لحاظ بھی کیا جائے“ (وسائل مسائل حصہ اول ص ۲۳۳)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

”جهان تک امناد کا تعلق ہے، ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن حدیث کا مضمون صریح مقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ دھا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی“

(۷) ابو داؤد کی یہ حدیث — ان الله يبعث لهذه الامة“ علی راس کل مائے“ منہ“ من یجدد اها دینہا — مولانا کے نزدیک صحیح ہے، لیکن اس کی توجیہہ انہوں نے کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ خود اس کا مصدقاق بن سکیں، علماء کا ایک بہت بڑا اعتراض مولانا و دودی ہر یہ بھی ہے۔

اسی طرح ظہور مہدی کے بارے میں جو روایات ہیں، ان کے بارے میں عام تصورات کا وہ یوں مذاق اڑاتے ہیں :-

مسماطیوں میں جو لوگ الامام المهدی کی آمد کے قائل ہیں، وہ بھی ان متجمددین سے جو اس کے قائل نہیں ہیں، اپنی خلط فہمیوں میں کچھ ایچھے نہیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ و صوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے۔ تسبیح ہاتھوں میں ائمیں یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے ہجرے سے

برآمد ہوں گے۔ آئئے ہی انالحمدی کا اعلان کر دیں گے۔ علماء اور مشائخ کتابیں لئے پہنچ جائیں گے اور لکھی ہوئی علامتوں سے ان کے جسم کی ماخت وغیرہ کا مقابلہ کر کے انہیں شناخت کر لیں گے۔ بھر بیعت دوگی اور اعلان جہاد کر دیا جائے گا۔ چلے کوئینچھے ہوئے درویش اور سب برائی طرز کے ”بقیہ“ التسیف“، ان کے جہنم کے تلے جمع ہوں گے۔ تلوار تو محض شرط پوری کرنے کے لئے برائی نام چلانی پڑے گی، اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرف سے ہوگا۔ پہونچکوں اور وظیفوں کے زور سے میدان جمیٹے جائیں گے۔ جس کافر ہر نظر مار دیں گے، تذپ کر بے ہوش ہو جائے گا۔ اور محض بد دعا کی تاثیر سے ڈینکوں اور ہواٹی جہازوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔

(تجدید و احیائے دین ص ۵۲)

اس بارے میں خود مولانا کا جو عقیدہ ہے وہ یہ ہے۔

”... میرا اندازہ یہ ہے کہ آئے والا اپنے زمانے میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا۔ وقت کے تمام علوم جدیدہ پر اس کو مجتہدا نہ بصیرت حاصل ہوگی۔ زندگی کے سارے مسائل مسائل کو وہ خوب سمجھتا ہوگا۔ عقلی و ذہنی ریاست، سیاسی تدبیر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکھ جمادے گا اور اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھ کر جدید ثابت ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی جدت کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شورش بڑھا کر دیں گے...“

(۸) بعیثیت ایک منکر اور صاحب دعوت کے ایک موقع پر مولانا مودودی نے حج کے سلسلہ میں مکہ معظمہ میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا ناقدانہ جائزہ لیا اور یہ لکھا ہے۔

”وہ سر زمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا، آج اس جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے، جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی، اب ذہ وہاں اسلام کا علم ہے نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اسلامی زندگی ہے۔ لوگ دور تھے بڑی گھری عقیدت ہیں لئے ہوئے حرم ہاک کا سفر کرتے ہیں مگر اس علاقے میں پہنچ کر

جب ہر طرف ان کو جمہالت، گندگی، طمع، یعنی حیائی - دنیا پرستی، بد اخلاقی، بد انتظامی اور عام باشندوں کی ہر طرح گردی ہوئی حالت نظر آتی ہے، تو ان کی توقعات کا سارا طلبسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے پجائے اور اللاتک ہو آتے ہیں۔“

اس ضمن میں مولانا نے شکایت کی کہ کعینے، بین پھر وہی مہنت گرد تازہ ہو گئی ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کیا تھا۔ حرم کعبہ کے منظم پھر اسی طرح مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کا گھر ان کے لئے جائیداد اور حج ان کے لئے تجارت بن گیا ہے۔ حج کرنے والوں کو وہ اپنی آسامی مدد جھتھے ہیں۔ معلم، مطوف، وکیل، طوف، کلید بردار کعبہ اور خود حکومت حجہاز سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں۔ غرض یہ بنارس اور ہردوار کے ہنڈتوں کی می حالت اس دین کے تمام نام تھاد خدمت گذاروں اور مرکزی عبادت گاہ کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے، جس نے مہنت گرد کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد آخر میں مولانا لکھتے ہیں :

”... ایسی جگہ عبادت کی روح باقی کہاں رہ سکتی ہے؟ کس طرح آپ امید کرسکتے ہیں کہ حج کرنے والوں اور حج کرانے والوں کو اس عبادت کے حقیقی و روحانی فائدے حاصل ہوں گے، جب کہ یہ سارا کام مودا گردی اور دوسرا طرف خریداری کی ذہنیت سے ہورہا ہے۔“

”کاروبار حج“ کی بدعنوایوں کے باوے میں یہ ایک صاحب دعوت مصلح کا علمی رد عمل ہے لیکن جب یہی بزرگ علمی سیاست میں داخل ہوتے ہیں اور ان کے پیش نظر عوام کے ووٹوں کے ذریعہ مسند اقتدار پر فائز ہونا ہوتا ہے تو یہ خود اسی قسم کی مہنت گردی اختیار کرتے ہیں۔ وہ خلاف کعبہ کے جلوس نکلواتے ہیں۔ اس کے لئے اپنی جماعت کے افراد کو دلالوں اور مفری ایجنٹوں کی طرح استعمال کرتے ہیں اور بعضیہ اسی قسم کی حرکات کرنے ہیں، جن کے خلاف بارہ چودہ ماں پہلے ان کا اتنا سخت رد عمل تھا۔

(۹) مولانا مودودی جمہور علماء کی طرح سف کے خوالات کی ہابندی

لارسی نہیں سمجھتے، اور علماء کی طرف سے ان پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں :

” میرا طریقہ ہے کہ میں بزرگان سنت کے خیالات اور کاموں پر بے لائگ تحقیقی و تدقیدی نگاہ ڈالتا ہوں۔ جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں، اسے حق کہنا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے اعتبار سے دوست نہیں پاتا، اس کو صاف صاف نادرست کہہ دیتا ہوں۔ ”

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو :

میں اسوہ اور سنت اور بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں۔ جو بالعموم آپ حضرات کے ہاں رائج ہیں۔ آپ کا یہ خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے، اتنی ہی بڑی ڈاڑھی رکھنا سنت رسول یا اسوہ رسول ہے، یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عادات رسول کو بعینہ وہ سنت سمجھتے ہیں، جن کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہ السلام بجهوت نئے جانے رہے ہیں، مگر میرے نزدیک صرف یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں ہے، بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع ہر اصرار کرنا ایک مستحب قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے، جس سے نہایت برسے نتائج ہملے سے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے، ”

(۱۰) مولانا مودودی یورپی علوم و فنون کی افادیت اور یورپی ممالک کے اچھے کاموں کے بھی معترض ہیں۔ دو اقتباس ملاحظہ ہوں۔

” مغربی علوم و فنون بجائے خود سب کے سب مفید ہیں اور اسلام کو ان میں سے کسی کے ساتھ بھی دشمنی نہیں۔ بلکہ جواباً میں یہ کہوں گا کہ جہاں تک حقائق علمیہ کا تعلق ہے، اسلام ان کا دوست ہے اور وہ اسلام کے دوست ہیں، ”

لیز

” یورپ کے بہت سے ایسے مالک ہیں جن میں معاشرتی فلاخ کے لئے بہت مفید اور کارآمد سکیمیں جاری ہیں، وہاں اجتہادی عدل

کے حصول کے لئے کئی ایک موثر تدبیر اختیار کی گئی ہیں ...
وہاں غریب اور پسے ہوئے طبقوں کو انہائے کے لئے جدوجہد کی
جاری ہے ... وہاں لوگوں کا ایک سیاسی اخلاق اور کردار
ہے ... ”

(۱۱) اپنی کتاب تفہیمات جلد اول ص ۳۰۵ میں مولانا ”مسلک اعتدال“
کا یون تعین کرتے ہیں -

امام ابوحنیفہ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھتے ہیں ،
جو مرسیل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک
قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول
کیا گیا ہے - یا جن میں احادیث کچھ کھتمی ہیں اور امام ابوحنیفہ
اور ان کے اصحاب کچھ کھتمی ہیں - یہی حال امام مالک کا ہے -
باوجود یکہ اخباری نقطہ نظر ان پر زیادہ غالب ہے مگر پھر بھی
ان کے تفہیم نے بہت سے مسائل میں ان کو اپسی احادیث کے خلاف
فتویٰ دینے پر مجبور کر دیا جنہیں محدثین صحیح قرار دیتے ہیں -
چنانچہ لیث بن سعد نے ان کی فقہ سے تقریباً ستر مسئلے اس نوعیت
کے نکالے ہیں - امام شافعی کا حال یہی اس سے کچھ زیادہ مختلف
نہیں -

(۱۲) مولانا مودودی علماء کی جمود ہرستی کے اتنے ہی شاکر تھے ، جتنے
کہ شاید ہمارے تجدد پسند ہیں - اس موضوع پر انہوں نے بار بار لکھا ہے
اور بہت لکھا ہے -

چند اقتباسات یہ ہیں :-

” البتہ اسلام کے حق میں اس رکاوٹ کو جس چیز نے شدید تر
رکاوٹ بنادیا ہے ، وہ ہماری یہ جامد اور یہ روح مذہبیت ہے ، جسے
آج کل اسلام سمجھا جا رہا ہے - اس یہ روح مذہبیت کا پہلا
بنیادی نقص یہ ہے کہ اس میں اسلام کے عقائد محض ایک دھرم
کے مزعومات بنا کر رکھ دیئے گئے ہیں -“

”... دوسرا بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ
اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا

ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے محض عہد گذشتہ کی ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے۔ اور اسلام کی تعالیٰم دینے والی درس گاہیں آثار قدیمه کے محافظت خانوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۱۸۵)

”اپک جدید مجموعہ توائین کی ضرورت“ کے عنوان کے تحت مولانا مودودی نے ۱۹۲۱ء میں لکھا تھا۔

قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے ان گناہ ٹاروں کے ساتھ ساتھ ان کے دینی پیشوایہ پتکڑے ہوئے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھئے کہ کہ کیا ہم نے تم کو علم و عقل سے اسی لئے سرفراز کیا تھا کہ تم اس سے کام نہ لو۔ ... ہم نے اپنے دین کو آسان بنایا تھا تم کو سکھا حق تھا کہ اسے مشکل بنادیا ... ہم نے ہر مشکل کا علاج قرآن میں رکھا تھا، تم سے یہ کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگو اور اپنے ائمہ انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی مہجھو؟ اس باز پرس کے جواب میں امید نہیں کہ کسی عالم دین کو کفزا الدقائق اور ہدایہ اور عالمگیری کے مصنفوں کے دامنوں میں پناہ مل سکے۔ البتہ جہل اکو یہ جواب دھی کرنے کا ضرور موقع مل جائے گا کہ رینا ادا اطاعتنا سادتا و سکبراء نا فاضلونا السبیل رینا اتهم ضعفیوں من العذاب و العنعم لعننا کبیراً۔

اسی زمانے میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال کے جواز میں لکھتے ہوئے مولانا نے علماء کی جمود ہرستی پر سخت چوٹیں کیں۔ انہوں نے لکھا:- ”میں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ علمائے کرام وقت کے رجحانات سے منہ موڑ کر بیٹھ جائیں اور اس امر کو بالکل بھول جائیں کہ وہ ہدایہ اور بدائع کے زمانہ تصنیف میں نہیں بلکہ نت نئی سائنسیفک ایجادات اور تیز رفتار تمندی انقلابات کے دور میں رہتے ہیں۔ اس دور میں روز بروز نئے مسائل کا پیدا ہونا لابد ہے اور ان مسائل کو ہدایہ و بدائع کی روشنی میں حل کر لے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں جس کا خطہ نوجوان سائل نے اپنے استفسار میں ظاہر کیا ہے... قدم قدم بر عالمگیری اور ناقار خانی کو لاکر سدراء بنانے کا

لازیں نتیجہ یہ ہوگا کہ نئے زمانے کے مسلمان قرآن اور حدیث کو بھی بچھے چھوڑ کر جدھر منہ اٹھے گا، چل نکالیں گے، جس طرح ترک اور ایرانی چل نکلے۔“

ترک میں اندازک کے دور میں جو کچھ ہوا، مولانا مودودی نے اس کا ذمہ دار بھی علماء کو قرار دیا۔ ”تفیحات“ میں لکھتے ہیں -

”ایک طرف ترک قوم میں اتنے بڑے انقلاب کی ابتدا ہو رہی تھی۔ دوسرا طرف ترکوں کے علماء اور مشائخ تھے جواب بھی ساتوں صدی کی فضا سے نکلنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کے جمود، ان کی تاریک خیالی، ان کی رجعت پسندی اور زمانے کے ساتھ حرکت کرنے سے ان کے قطعی انکار کا اب بھی وہی حال تھا، جو سلطان سلیم کے زمانے میں تھا، وہ اب بھی کہہ رہے تھے کہ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے... وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترک قوم میں وہی فقہی قوانین نافذ کیے جائیں گے، جو شامی اور کنیز الدفائق میں لکھے ہوئے ہیں...“

اور مولانا موصوف نے آخر میں یہ لکھا -

”... ہر انے مذہبی خیال کے لوگ نوجوان ترکوں پر کفر اور فسق کے فتوے لگا رہے ہیں۔ مکر ان کو خبر نہیں کہ اوجوان ترکوں سے زیادہ گناہ گار تو ترک کے علماء و مشائخ ہیں“

مختصرًا اصلاح، معتدل تجدید، فتح باب اجتہاد اور زمانے کے ساتھ چلنے کی یہ علمی و فکری دعوت تھی، جسے لے کر ہمہ مولانا مودودی مظہر عام ہر آئی، اگر وہ اسی دعوت کو اپنا مشن بناتے تو ایک حد تک ان کا اس دور میں وہی مقام ہوتا، جو ایک زمانے میں ہمارے دوسرے امور مصحابین کا تھا۔ اور اس بارے میں ہمارے سامنے امام غزالی اور امام ابن تیمیہ کی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن مولانا مودودی اس پر اکتنما نہ کیا اور وہ اس خالص دینی دعوت کی اساس پر سیاسی اقتدار کے جویا ہوئے۔ اور انہوں نے اسلام کی اہنی اس عمومی و آفاق گیر دعوت اور اپنی موجودہ حزبی سیاسی سرگرمیوں کو پکجا کر دیا اور یہی ان کی سب سے بڑی غلطی ہے، اس کا خمیازہ اب تک

جو وہ بھگت چکرے ہیں وہ کم ہے اور اگر وہ اپنے اسی مسلک پر بصر رہے۔
تو آگے جو کچھ آئے گا وہ اس سے زیادہ ہو گا۔

مولانا مودودی کو یا تو امام غزالی اور امام ابن تیمیہ کے نقش قدم پر
چلنا چاہئے تھا کہ وہ دین کے ساتھ سیاست کو لیتے، لیکن علمی حد تک یا ان
کے سامنے اسی دور میں مولانا ابو کلام آزاد کی مثال تھی کہ جب وہ حزبی سیاست
میں آئے تو وہ اپنی امن دینی دعوت ہے، جو بالکل مولانا مودودی کی دعوت
سے ملتی جلتی تھی، دست کش ہو گئے اور اولاد و آخر کانگرسی بن گئے اور
اپنے آپ کو اس جماعت کے تابع کر دیا۔

در اصل خدا اور رسول کی مرضی کا مظہر اور ان کی تعلیمات کا واحد
ترجمان بن کر حزبی سیاست لڑانا اور اس طرح مسند اقتدار پر قبضہ کرنے کی
کوشش کرنا مولانا مودودی کی علمی شخصیت کی موت ثابت ہوا ہے۔ اور اس
کا ہمیں یہ حد انسوس ہے۔